ڈاکٹر عبدالقادر لون

امام غزالی

اور

مغربی مفکرین پر ان کے اثرات

امام غزالی ضلع طوس کے شہر طابران میں ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس بنا پر ان کی تعلیم و تربیت حالت یتیمی میں ہوئی۔ ابتداء میں انہوں نے اپنے شہر ہی میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جرجان جا کر امام ابونصر اسماعیلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جرجان سے واپس آ کر تین سال طابران میں رہے۔ حصولِ علم کا شوق ابھی تازہ تھا، اس لیے نیشا پور جا کر امام الحرمین کی شاگردی اختیار کی، جو مدرسہ نظامیہ نیشا پور میں صدر مدرس تھے۔ یہاں انہوں نے فقہ، اصول فقہ، منطق اور کلام کے علوم پڑھے۔ ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں امام الحرمین کا انتقال ہوا تو امام غزالی نیشا پور سے نکل کر مسکر چلے گئے جو سلجوقی وزیر نظام الملک کی قیام گاہ تھا۔ ان کا دربار علمی ماحول کے لیے مشہور تھا۔ امام غزالی بھی دربار سے وابستہ ہوئے اور کچھ ہی مدت میں اپنی صلاحیت سے دربار کے تمام علماء پر چھا گئے۔ ۴۸۴ھ/ ۱۰۹۱ء میں نظام الملک نے انہیں مدرسہ نظامیہ بغداد کا صدر مدرس مقرر کیا، جہاں ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے[1]۔

مدرسہ نظامیہ کی خدمت کے دوران فارغ اوقات میں انہوں نے دو سال فلسفے کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد باطنیہ فرقہ کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے، جو تعلیمیہ کہلاتا تھا۔ اسی اثناء میں انہوں نے

خلیفہ کے حکم پر باطنیہ کی تردید میں کئی کتابیں تحریر کیں۔ باطنیوں کی تعلیمات سے باخبر ہونے کے بعد امام غزالی نے صوفیہ کی تصنیفات کی طرف توجہ دی اور ابو طالب مکی (المتوفی ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) کی کتاب ''قوت القلوب''، حارث محاسبی (المتوفی ۲۴۳ھ/ ۸۵۷ء) کی تصنیفات اور جنید (المتوفی ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء) وشبلی (المتوفی ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء) کے اقوال کا مطالعہ کیا، مگر پتہ چلا کہ تصوف صرف قال نہیں حال بھی ہے۔ ترکِ دنیا کا ارادہ کیا، مگر جاہ ومنصب اور اہل وعیال کا خیال آڑے آیا۔ تقریباً چھ ماہ تک متردد رہے۔ دنیا وآخرت کی اس کشمکش میں ان کی زبان بند ہوگئی۔ تدریس کا کام رک گیا اور سخت بیمار پڑ گئے۔ علاج سے مایوس ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے دعائیں مانگیں[۲]۔ شفایابی کے بعد ذی قعدہ ۴۴۸ھ/ نومبر ۱۰۹۵ء میں مال ومتاع تقسیم کرکے بغداد سے نکل کھڑے ہوئے اور شام کی راہ لی۔ دو سال تک شام میں قیام کیا۔ مدت تک مسجد دمشق میں مجاہدہ ومراقبہ کیا۔ وہاں سے بیت المقدس گئے، وہاں بھی حجرہ میں داخل ہوکر سارا دن مراقبے میں گزارتے تھے۔ یہاں سے مقامِ خلیل کا رخ کیا اور حضرت ابراہیم کی قبر پر پہنچ کر تین باتوں کا عہد کیا۔ (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جائیں گے۔ (۲) کسی بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کریں گے۔ (۳) کسی سے مناظرہ ومباحثہ نہیں کریں گے۔ یہاں سے بغرض حج وزیارت مدینہ حجاز روانہ ہو گئے اور مدتوں مکے میں قیام کیا۔ اس دوران میں مصر اور اسکندریہ بھی گئے۔ کہا جاتا ہے کہ امام غزالی مراکش کے بادشاہ یوسف بن تاشفین سے ملنے کے لیے بحری سفر کا ارادہ کررہے تھے کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا، اس لیے امام نے اسکندریہ ہی میں سفر کا ارادہ ترک کردیا[۳]۔

بغداد سے نکلنے کے گیارہ سال بعد امام غزالی کو وطن اور اہل وعیال کی یاد آئی۔ اسی زمانے میں بادشاہ کی طرف سے تاکیدی فرمان پہنچا کہ درس وافادہ کی خدمت قبول کریں۔ دوستوں سے مشورہ کیا، سب نے ترکِ عزلت کی رائے دی۔ بعض صوفیوں کو خواب میں القا ہوا کہ اس امر میں رضائے الٰہی مضمر ہے۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ بموجب حدیث ''خدا ہر صدی کے آغاز پر ایک

۱ ——— عالمِ اسلام اور عیسائیت، جنوری - مارچ ۲۰۰۰ء

مجدد پیدا کرتا ہے''۔اس لیے انہوں نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ/۱۱۰۴ء میں مدرسہ نظامیہ نیشاپور پہنچ کر درس و تدریس کا کام پھر سے سنبھال لیا[4]۔ ایک سال تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ ۵۰۰ھ/۱۱۰۴ء میں عہدہ تدریس چھوڑ کر طابران گئے، اور اپنے گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ قائم کر کے علوم ظاہری و باطنی کی تدریس و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ تادم حیات یہی شغل رہا۔ آخری برسوں میں حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ دم وفات صحیح بخاری ان کے سینے پر تھی۔ امام غزالی نے سوموار ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ/ ۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء کو طابران میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ یوں یہ آفتاب علم وفن پچپن سال پہلے جہاں سے طلوع ہوا تھا، وہیں جا کر غروب ہو گیا[5]۔

امام غزالی کی تصنیفات میں سب سے اہم کتاب ''احیاء علوم الدین'' ہے جو چار ضخیم جلدوں پر محیط ہے، اس کے علاوہ فقہ، اصول فقہ، فلسفہ، منطق، کلام، تصوف و اخلاق کے موضوعات پر انہوں نے اسی سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں بعض کتابیں ضخیم ہیں۔ چند کتابوں کے بارے میں بعض مورخین کی رائے ہے کہ ان سے غلط طور پر منسوب ہیں[6]۔

امام غزالی نے جس دور میں آنکھیں کھولیں، وہ فلسفۂ یونان کی گرم بازاری کا عہد تھا، جس کے اثرات افکار و عقائد پر پڑ رہے تھے۔ جو لوگ فلسفہ سے متاثر تھے وہ شک و ریب میں مبتلا ہو کر بد اعتقادی کو ہوا دے رہے تھے۔ خود امام غزالی بھی تشکیک کے مرحلوں سے گزر کر یقین کی وہ کیفیت تلاش کر رہے تھے، جو دو اور دو چار کی طرح اپنی دلیل آپ ہو۔ تلاش حق میں انہوں نے مختلف طبقوں اور فرقوں کے افکار کا مطالعہ کیا، لیکن کہیں تشفی نہیں ہوئی۔ متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ کے بعد انہوں نے صوفیہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور بغداد چھوڑ کر صوفیہ کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ عزلت گزینی کے اس دور میں انہیں جو مکاشفات حاصل ہوئے، ان سے انہیں معلوم ہوا کہ صرف صوفیہ ہی یقین کی اس دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، جس کے لیے انہوں نے کتابوں کے صدہا دفتر

کھنگالے تھے اور جس کو پانے میں تمام حسی اور عقلی علوم عاجز اور درماندہ نظر آتے ہیں۔

امام غزالی نے فلسفے کے موضوع پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک کا نام ''مقاصد الفلاسفہ'' ہے۔ اس میں انہوں نے فلسفیوں کے مقاصد و مسائل وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ کتاب کے دیباچے میں کہا ہے کہ وہ اس کتاب میں لوگوں کو فلسفیوں کے ان افکار و خیالات سے واقف کرانا چاہتے ہیں، جن کی غلطیوں کی تفصیل و تردید وہ دوسری تصنیف ''تہافۃ الفلاسفہ'' میں کریں گے۔ چنانچہ ''مقاصد الفلاسفہ'' کے بعد انہوں نے ''تہافۃ الفلاسفہ'' تصنیف کی، جو اول الذکر کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہوئی۔

''تہافۃ الفلاسفہ'' میں امام غزالی نے شروع میں وضاحت کی ہے کہ مسائل کی تردید کے دوران وہی آراء زیر بحث آئیں گی، جو فارابی اور ابن سینا کے یہاں صحیح اور مسلّم ہیں، کیوں کہ فلسفۂ ارسطوئی نقل و تحقیق میں یہی دو زیادہ مضبوط اور معتبر ہیں۔ مقدمہ کتاب میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ فلسفیانہ مباحث میں صرف ایک طالب حقیقت ہی کی حیثیت سے تحقیق نہیں کریں گے، بلکہ ایک مدعی اور مذہبی وکیل کی حیثیت سے بھی یہ فرض انجام دیں گے۔

امام غزالی نے اس کتاب میں فلسفیوں کے بیس مسئلوں پر بحث کی ہے، جن میں سولہ مسائل کا تعلق الٰہیات سے اور چار کا تعلق طبیعیات سے ہے۔ امام نے بیس مسئلوں کی تردید میں اپنا سارا زور قلم صرف کیا ہے۔ ان میں سے تین مسئلے وہ ہیں، جن کی بنیاد پر انہوں نے فلسفیوں کی تکفیر کی ہے۔ یہ تین مسئلے یہ ہیں: (۱) فلسفیوں کا یہ قول کہ عالم قدیم ہے۔ (۲) یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے۔ (۳) حشر بالا جساد اور بعث نشر اور عذاب و ثواب کے جسمانی ہونے کا انکار۔ باقی سترہ مسئلوں کے بارے میں امام کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی بدعتی فرقہ ان کا قائل رہا ہے، اس لیے انہیں بنائے تکفیر نہیں، موجب بدعت قرار دینا لازمی ہے[۹]۔

امام غزالی کے ان حملوں کی زد میں جو فلسفی آتے ہیں، ان میں دو مسلمان فارابی اور ابن سینا

بھی شامل ہیں۔ستم بالائے ستم یہ کہ انہوں نے خود بھی ان دونوں مفکروں کا نام لیا ہے۹۔ابن رشد کا بیان ہے کہ امام غزالی اور فلسفیوں میں بہت کم اختلاف تھا۔انہوں نے فلسفیوں کے تمام نظریات کی تردید کی ہے تاکہ اہل سنت کی نظروں میں مقبول ہو جائیں۔موسیٰ بن فاربون نے ابن رشد کی اس رائے کی تصریح کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام غزالی نے ''تہافۃ الفلاسفہ'' لکھنے کے بعد ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا تھا،جس کا علم صرف ان کے چند مقربین کو تھا،اس میں انہوں نے اپنی تردید سے رجوع کیا تھا۱۰،مگر''تہافۃ الفلاسفہ'' میں امام غزالی نے جو کچھ لکھا ہے،اسے انہوں نے اپنی ایک اور تصنیف''المنقذ من الضلال'' میں بھی اجمالاً بیان کیا ہے،حالانکہ یہ کتاب ذی قعدہ۴۹۹ء کے بعد لکھی گئی ہے۔ان کا بیان ہے کہ فی الحقیقت ارسطو نے مذہب فلاسفہ کو مذہب اسلام کے قریب پہنچا دیا ہے،جیسا کہ فارابی اور ابن سینا نے بیان کیا ہے،لیکن جن مسئلوں میں ان سے غلطی ہوئی ہے،ان کی تعداد بیس ہے۔ان میں تین وہ ہیں جن کی بنیاد پر ان لوگوں کی تکفیر واجب ہے اور سترہ مسئلے وہ ہیں،جن کی بناء پر انہیں بدعتی قرار دینا ضروری ہے۱۱۔

''المنقذ من الضلال'' میں امام غزالی نے فلسفیوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا طبقہ دہریہ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ دنیا کا کوئی صانع نہیں ہے،بلکہ یہ اپنے آپ ہمیشہ سے موجود چلی آرہی ہے۔دوسرا طبقہ طبعیہ ہے۔ان لوگوں نے طبعیات،عجائبات اور حیوانات و نباتات پر غور و خوض کرکے اعتراف کیا ہے کہ کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے،مگر ان لوگوں کو حشر اجساد،بہشت و دوزخ اور یوم آخرت سے انکار ہے۔تیسرا طبقہ الہیہ ہے،ان میں سقراط،افلاطون اور ارسطو شامل ہیں۔ان لوگوں نے اول الذکر دو طبقوں کی مذمت کی ہے۔پھر ارسطو نے افلاطون اور سقراط کی تردید کی ہے،مگر انہوں نے خود بھی کفر و بدعت کی بعض چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ دی ہیں،لہذا ان کے اور ان کے پیرو کاروں کی تکفیر واجب ہے۱۲۔''المنقذ من الضلال'' کے ان بیانات سے رجوع کی روایت محل نظر لگتی ہے۔

''تہافتہ الفلاسفہ'' کے مباحث میں مسببات کی بحث بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اس میں امام غزالی نے علت ومعلول کے مشہور عام خیال کی تردید کی ہے،ان کا کہنا ہے کہ عادت کے لحاظ سے جس چیز کو سبب اور جس چیز کو مسبب خیال کیا جاتا ہے۔ان دونوں کا اقتران ہمارے نزدیک ضروری نہیں ہے، یا بالفاظ دیگر جب دو چیزوں کا اجتماع ہوتا ہے تو اس امر پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے ایک دوسرے کی علت ہے۔مثلاً آگ کے چھونے سے روئی کا جلنا۔ہم یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ آگ اور روئی یکجا بھی ہوں اور روئی جلے بھی نہ،اور یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ روئی کو آگ چھوئے بھی نہیں اور وہ جل کر راکھ ہو جائے[۱۳]۔امام غزالی کا یہ نظریہ سات سو سال بعد انگریز فلسفی ڈیوڈ ہوم (David Hume، ۱۷۱۱ء-۱۷۷۶ء) نے دہرا کر علت ومعلول کے رشتے سے انکار کیا،جس سے متاثر ہو کر جرمنی کے فلسفی عمانویل کانٹ (Immanuel Kant، ۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) نے کہا تھا کہ ہیوم نے مجھے خواب غفلت سے جگایا۔

''تہافتہ الفلاسفہ'' کا زمانہ تحریر معلوم نہیں ہے۔ول دوران (Will Durant) جنہوں نے امام غزالی کو اسلام کا عظیم ترین ماہر الٰہیات اور اسلام کا آگسٹائن اور کانٹ کہا ہے، کے بیان سے لگتا ہے کہ یہ کتاب انہوں نے اس وقت تحریر کی ہے، جب ان پر حسی اور عقلی علوم کی کمزوری عیاں ہو گئی تھی اور وہ تصوف اور علم لدنی کے قائل ہو گئے تھے۔کتاب کے بارے میں ول دوران کا بیان ہے:

> اسی کیفیت میں امام غزالی نے اپنی سب سے زیادہ اثر انداز تصنیف ''تہافتہ الفلاسفہ'' (فلاسفہ کی تباہی) تحریر کی،جس میں عقل کے خلاف تمام عقلی دلائل استعمال کیے گئے۔کانٹ کے وجدانی انداز بیان کے ساتھ اس مسلم صوفی نے دلیل پیش کی کہ عقل عام شکوک ذہنی دلاتی ہے،اخلاقی انحطاط اور سماجی ابتری کو جنم دیتی ہے۔امام غزالی نے ہیوم سے سات سو سال پہلے عقل کو اصول تعلیل اور تعلیل کو تسلسل محض میں

> محدود کر دیا، یعنی جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ الف کے بعد باقاعدگی سے ب رونما ہوتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ الف ۔ ب کی علت ہے۔ فلسفہ، منطق اور سائنس خدا کے وجود اور روح کی ابدیت کو ثابت نہیں کر سکے۔ صرف براہ راست الہام ہی ہمیں ان عقائد کا یقین دلا سکتا ہے جن کے بغیر کوئی اخلاقی نظام اور اسی بنا پر کوئی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی[۱۴]۔

امام غزالی اپنی تصنیفات کی بدولت قرون وسطی کے لاطینی مغرب میں بہت مقبول رہے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد تیس پینتیس برسوں کے اندر ہی ان کی کچھ کتابوں کا لاطینی ترجمہ کیا گیا۔ ان کی تصنیف ''المقاصد الفلاسفہ'' نے یورپ کو بہت متاثر کیا ہے۔ بارہویں صدی کی ابتداء میں اس کا ترجمہ ان کتابوں کے ساتھ کیا گیا جو پہلے پہل ترجمہ ہوئی ہیں[۱۵]۔

امام کی دوسری تصنیف ''المنقذ من الضلال'' کا لاطینی ترجمہ بارہویں صدی کے نصف اول کے دوران ڈومنیک گندی سالیو (Dominic Gundisalvus، ۱۱۳۰-۱۱۵۰ء) نے کیا تھا۔ اس کتاب کا موازنہ مشہور عیسائی مصنف سینٹ آگسٹائن (St. Augustine، ۳۵۴-۴۳۰ء) کی شہرۂ آفاق تصنیف ''اعترافات'' (Confessions) سے کیا گیا۔ سینٹ آگسٹائن نے عیسائیوں کی علمی اور روحانی ترقی پر گہرا اثر ڈالا ہے، جس طرح امام غزالی متکلمین باطنیہ، فلاسفہ کو رد کرنے کے بعد صوفی بن کر کشف کے قائل ہو گئے تھے، جس کا اظہار انہوں نے ''المنقذ من الضلال'' میں کیا ہے۔ اسی طرح ان سے پہلے سینٹ آگسٹائن زندگی کے مختلف ادوار میں مذہب مانی، نوفلوطنیت کے پیروکار رہنے کے بعد عیسائی بن کر رحمت الٰہی (Divine grace) کے قائل ہو گئے تھے، جسے انہوں نے ''اعترافات'' میں بیان کیا ہے۔ دونوں نے اپنی زندگیوں کا آغاز شان وشوکت سے کیا اور دونوں مختلف مذہبی تجربات سے گزر کر قلب انسانی کے شر سے خائف ہوتے ہوئے فضل الٰہی کے طلب گار ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی کو اسلام کا آگسٹائن کہا گیا ہے[۱۶]۔

امام غزالی کی ''المنقذ من الضلال'' اور سینٹ آگسٹائن کے ''اعترافات'' کو Henrish Frick نے اپنی ایک تحریر میں موضوع بحث بنایا ہے، جو لیپزگ سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ بعض لوگوں نے ''المنقذ من الضلال'' کا موازنہ نامور فرانسیسی مصنف روسو (Rousseu، ۱۷۱۲ء - ۱۷۷۸ء) کے ''اعترافات'' سے کیا ہے۔ امام غزالی کی اس تصنیف کے ترجمے فرانسیسی اور انگریزی میں بھی ہوئے ہیں[۱۷]۔

یورپ میں امام غزالی ''تہافتہ الفلاسفہ'' کی بدولت زیادہ مقبول ہوئے۔ ان کی اس تصنیف نے عیسائی علمائے الٰہیات کو خاصا متاثر کیا۔ جس طرح مسلمانوں نے اس کتاب کو فلسفہ کے خلاف اسلام کے دفاع میں استعمال کیا، ٹھیک اسی طرح عیسائی علماء نے اس کے دلائل و براہین کو عیسائیت کے دفاع میں نقل کیا ہے۔

مغرب میں مشرقی علوم کی پہلی درس گاہ عیسائیوں نے طلیطلہ میں ۱۲۵۰ء میں قائم کی۔ یہاں عربی اور عبرانی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ فارغ التحصیل طلبہ یہودیوں اور مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اس مدرسے نے قرونِ وسطیٰ میں ایک ایسا عالم پیدا کیا جو عرب مصنفین کے بارے میں اس قدر معلومات رکھتا تھا کہ آج تک یورپ میں شاید ہی کوئی اس کا ہمسر ہوا ہو۔ اس شخص کا نام ریمنڈ مارٹن (Raymond Martin) تھا[۱۸]۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے امام غزالی کی ''تہافتہ الفلاسفہ'' کی اہمیت محسوس کی۔ الفرڈ گیوم لکھتے ہیں:

> یہ ریمنڈ مارٹن ہی تھے جنہوں نے غزالی کی ''تہافتہ الفلاسفہ'' کی قدر و قیمت محسوس کی اور اس کا ایک بڑا حصہ جو فلسفیوں اور مسلمان متکلمین کی تردید میں تھا، اپنی کتاب Pugio Fidei میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد سے حدوث عالم کے موافق غزالی کے دلائل، اور علم الٰہی کے جزئیات پر محیط ہونے اور مردوں کے دوبارہ زندہ

ہونے کے ثبوت عیسائی اپنے کلامی رسالوں میں بیان کرنے لگے[19]۔

امام غزالی نے جس انداز سے مختلف مرحلوں سے گزر کر فکری سفر کیا تھا، وہ بھی عیسائیوں کے لیے باعث کشش تھا، مگر مغرب میں ان کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ تھی کہ عیسائی علمائے الہیات انہیں مذہب کا ایسا محافظ تصور کرتے تھے، جس نے اہل عقل کے مستحکم قلعوں کو مسمار کر کے رکھ دیا ہے۔ ول دوران کا بیان ہے کہ امام غزالی سے سارے اہل شریعت یا راسخ العقیدہ مطمئن ہو گئے، حتیٰ کہ عیسائی علماء بھی ان کی مترجم کتابوں میں مذہب اور زہد و تصوف کا بیان پڑھ کر خوش ہوئے، کیونکہ آگسٹائن کے بعد سے کسی نے اس طرح قلم نہیں اٹھایا تھا[20]۔

قرونِ وسطیٰ کے مسیحی مغرب میں، جن عیسائی علماء نے امام غزالی کی مترجم کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں البرٹ اعظم اور ان کے شاگرد تھامس اکویناس سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان دونوں نے امام غزالی کے دلائل اور ثبوت اپنی تحریروں میں نقل کیے ہیں۔ مؤخر الذکر عیسائیوں میں عہد وسطیٰ کے سب سے بڑے ماہر الہیات مانے جاتے ہیں۔ ان کی تصنیف Summa میں جو دلائل اور نتائج دیے گئے ہیں، وہ امام غزالی کے ایک رسالے کے دلائل و نتائج سے بہت حد تک مشابہ ہیں[21]۔ امام غزالی اور تھامس اکویناس، جن اہم مسائل پر متفق ہیں، ان میں روحانی معاملات کی حقیقت کی تشریح و تثبیت میں عقل کا مقام، واجب الوجود، امکانِ کشف، نبوت کے ثبوت کے لیے معجزہ اور بعث بعد الموت کا عقیدہ جیسے مسائل شامل ہیں۔

امام غزالی اور سینٹ تھامس میں کئی چیزیں مشترک تھیں۔ الفرڈ گیوم کا بیان ہے:

> ان کے عزم، ارادے، ان کی دل سوزیاں اور ان کے مقاصد بنیادی طور پر یکساں تھے۔ دونوں نے فیصلہ سنانے سے پہلے مخالفین کا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی۔ دونوں نے ایسی جامع کتابیں تیار کرنے میں محنت کی، جو ان کے مذہب کی معقول تفصیل پیش کرتی ہیں اور دونوں کو الہام کی صوفیانہ تفہیم میں راحت ملی، جس کے

بارے میں انہوں نے اعتراف کیا کہ اس نے ان کی پچھلی محنتوں کو نسیاً منسیا کر دیا[۲۲]۔

یورپ اور امریکہ کے علماء نے امام غزالی کا موازنہ تھامس اکویناس سے کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے امام کو اکویناس پر فوقیت دی ہے۔ جارج سارٹن کا کہنا ہے کہ امام غزالی کا موازنہ اکویناس سے کیا جا سکتا ہے، جن پر انہیں کئی پہلوؤں سے برتری حاصل تھی[۲۳]۔ نیز موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> وہ اسلام کے عظیم ترین الٰہیات داں اور اس کے لائق ترین حقیقی مفکرین میں سے ایک ہیں، ان کا موازنہ اکویناس سے کیا جا سکتا ہے، مگر دینیات میں ان کی ذاتی خدمات عیسائی عالم کی خدمات سے زیادہ قابل توجہ ہیں۔ ان کی شخصیت وسیع پیمانے پر سائنس کے مورخ کی بہ نسبت مذہب کے مورخ کے لیے زیادہ اہم ہے۔ اگرچہ اول الذکر کے لیے بھی وہ اس وقت قابل ذکر ہیں، جب وہ مسلم فلسفے کے ارتقاء کا خیال کرے۔ علاوہ ازیں غزالی نے یہودی اور عیسائی علم کلام پر بہت اثر ڈالا ہے[۲۴]۔

امام غزالی کی شخصیت، طریقہ تحقیق اور ان کے افکار کی بازگشت یورپ کے مفکروں اور سائنسدانوں کے یہاں مختلف ادوار میں سنائی دیتی ہے۔ علمائے مشرق و مغرب نے ان کے اور رینی ڈیکارٹ کے درمیان کئی مماثلتیں تلاش کی ہیں۔ جدید فلسفے کے باوا آدم ڈیکارٹ امام کی وفات کے ۴۸۵ برس بعد ۱۵۹۶ء میں مراکش کے شہر تورین میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی شاہکار تصنیف Discource on Method کے نام سے مشہور ہے[۲۵]۔ اس کتاب میں انہوں نے شک کی بنیاد پر اپنا وجود ثابت کیا اور ''میں سوچتا ہوں اس لیے موجود ہوں'' کے الفاظ میں اپنے ثمر تحقیق کا اعلان کیا۔ امام غزالی کی طرح انہوں نے بھی دوران بحث اس علم کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا،

جو حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کی تحریروں میں اس قدر مماثلت موجود ہے کہ ہنری لوئس یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اگر ڈیکارٹ کے زمانے میں ''احیاء العلوم'' کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں موجود ہوتا تو ہر آدمی کہتا کہ ڈیکارٹ نے ''احیاء العلوم'' کا سرقہ کیا ہے، مگر دونوں کے درمیان بحث کے طریق کار میں یکسانیت کے باوجود نتائج مختلف سامنے آئے۔ امام غزالی تشکیک کے مرحلے سے گزر کر اس نور سے فیض یاب ہوئے جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے، جبکہ ڈیکارٹ نے تشکیک سے گزر کر عقل کا دامن تھام لیا۔ نیز امام غزالی نے عقل کی بے مائیگی ثابت کر کے مشرق میں فلسفہ کے شاندار محل کو منہدم کر کے رکھ دیا، جبکہ ڈیکارٹ نے عقل کی بنیاد پر مغرب میں فلسفے کی نئی عمارت کھڑی کی۔

امام غزالی سے فرانس کے ایک دوسرے سائنسدان بلیز پاسکل (Blaise Pascal) بھی متاثر ہوئے۔ یہ وہی پاسکل ہیں جن کی تکون ریاضی میں Pascal's triangle کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی پیدائش ۱۶۲۰ء میں ہوئی تھی۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کئی کارنامے انجام دیے، مگر ان کا اندرون تذبذب اور کشمکش کا شکار رہا۔ آخر میں انہوں نے فلسفہ اور مذہب کی طرف رجوع کیا۔ ۲۳ نومبر ۱۶۵۴ء کو انہیں کشف حاصل ہوا، جس کی تفصیل انہوں نے چرمی کاغذ پر تحریر کر کے کپڑوں میں سلوالی۔ اس واقعے نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ انہوں نے درویشانہ زندگی اختیار کی اور زندگی کے بقیہ آٹھ سال عبادات و مناجات میں گزار دیے۔ ان کی تحریروں میں ''پینسیز'' (Pensees) اور ''خطوط'' (Letters) بہت مشہور ہیں۔ عالم آخرت کے بارے میں پاسکل نے جو انداز استدلال اختیار کیا ہے، وہ تقریباً وہی ہے جو ان سے پانچ سو سال پیشتر امام غزالی پیش کر چکے تھے۔ زندگی کے کئی پہلوؤں میں دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ امام غزالی نے بغداد میں شان و شوکت کے ساتھ زندگی کا آغاز کیا، مگر بعد میں گوشہ نشین ہوگئے۔ پاسکل نے اپنی زندگی کی ابتداء میں کافی شہرت پائی، مگر بعد میں انہوں نے

عزلت گزینی اختیار کی۔ ۱۹۲۰ء میں پروفیسر میگل اسین (Miguel Asin Palacios) کی ایک کتاب شائع ہوئی، جس میں بتایا گیا ہے کہ پاسکل مسلمان صوفیہ اور زاہدوں سے متاثر تھے۔

امام غزالی نے ڈیوڈ ہیوم کو بھی متاثر کیا ہے۔ علت و معلول کے رشتے کے معاملے میں دونوں کا نقطہ نظر یکساں ہے۔ ان کے بعد نامور مفکرین میں کانٹ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے امام غزالی سے بے حد اثر قبول کیا ہے۔ کانٹ نے اپنی مشہور تصنیف ''تنقید عقل محض'' (Critique of Pure Reason) میں اسی طرح ارباب عقل و استدلال کو لاجواب کردیا ہے، جس طرح امام نے اپنے زمانے میں ان سے زبان چھین لی تھی۔

اہل مغرب نے امام غزالی کی کتابوں سے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی کتاب ''مقاصد الفلاسفہ'' کے عبرانی اور لاطینی ترجمے ہوئے۔ لاطینی ترجمہ ۱۵۰۶ء میں وینس میں چھاپا گیا۔ ''تہافتہ الفلاسفہ'' کا ترجمہ عبرانی میں کیا گیا۔ ''المنقذ من الضلال'' کا ترجمہ بارہویں صدی کے دوران ہی میں لاطینی میں ہوا تھا۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۴۲ء میں پیرس سے اور انگریزی ترجمہ ۱۹۰۹ء میں لندن سے شائع ہوا۔ امام غزالی کی ایک اور تصنیف ''مشکوٰۃ الانوار'' انگریزی ترجمے میں لندن سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ منطق پر ان کی کتاب ''میزان العمل'' کا ترجمہ عبرانی میں ابراہیم حصدانی نے کیا۔

ان کی فارسی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' کے ترجمے کئی زبانوں میں ہوئے۔ انگریزی میں اس کا ایک ترجمہ نیویارک سے ۱۹۸۳ء اور دوسرا ترجمہ لندن سے ۱۹۰۹ء میں چھاپا گیا۔ امام غزالی کی ایک اور کتاب ''الدرۃ الفاخرۃ فی کشف علوم الآخرۃ'' کے بھی ترجمے شائع ہوئے۔ ''احیاء العلوم'' کے مختلف حصوں کے ترجمے کئی مغربی زبانوں میں کیے گئے۔ مکمل ''احیاء'' کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے۔ ان ترجموں کے علاوہ امام غزالی کی شخصیت، ان کی تصانیف اور ان کے افکار پر

جرمن، فرانسیسی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے[۲۶]۔

امام غزالی نے اگرچہ فلسفہ پر تیز و تند تنقید کی، مگر وہ خود کو بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ ان کے قلم سے متعدد ایسی کتابیں نکلیں، جن پر علمائے اسلام نے سخت گرفت کی۔ انہوں نے ''کتاب الشفا'' کے مصنف ابن سینا کی مخالفت کی، مگر ان کے ناقدین کہہ اٹھے کہ انہیں ''شفا'' ہی نے مسمار کر دیا[۲۷]۔

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ امام غزالی نے مسلمانوں کی سائنسی سرگرمیوں پر روک لگا دی اور آزادانہ تحقیق کا باب ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ ایک بڑے فاضل یہاں تک کہہ گئے ہیں:

> اگر امام غزالی اور امام ابو الحسن اشعری نہ ہوتے تو عرب گلیلیوں، کیپلروں اور نیوٹنوں کی قوم بنی رہتی[۲۸]۔

امام غزالی کے عہد کے مسلمانوں کی عقلی سرگرمیاں ضرور کم ہوئیں، مگر اس کی ذمہ داری امام کے سر ڈالنا ناانصافی ہے، وہ خود بھی سائنسدان تھے۔ انہوں نے ستاروں کی ماہیت اور حرکت کے موضوع پر ایک رسالہ تصنیف کیا ہے۔ ایک دوسری تصنیف میں انہوں نے فلکیات کا خلاصہ قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں ریاضی میں بھی دستگاہ حاصل تھی[۲۹]۔ ان کے عہد میں مسلمان سائنسدانوں کی تعداد کم تھی، مگر ان کی خدمات کا معیار سب سے بلند تھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں اگرچہ بیداری کے آثار پیدا ہو رہے تھے، مگر ان کے علماء کی خدمات کا معیار پست تھا۔ جارج سارٹن کا بیان ہے کہ عیسائی اور یہودی علماء کی موجودگی کے باوجود دنیا کا یہ حال تھا:

> اسلام اب بھی عالم انسانیت کا رہبر تھا۔ ان دنوں دنیا میں کہیں بھی ایسا فلسفی نہ تھا، جو امام غزالی کی ہمسری کرتا، نہ کوئی ماہر فلکیات تھا جو الزرقالی کا ہم پلہ ہوتا اور نہ کہیں کوئی ایسا ریاضی داں تھا جو عمر خیام کا ہمدوش ہوتا۔ یہ لوگ اپنے معاصرین سے بہت

اونچے مقام پر کھڑے تھے۳۰۔

حواشی

۱۔ ابو حامد الغزالی، المنقذ من الضلال علی ھامش الانسان الکامل للجیلی، مصر ۱۳۱۶ھ، ۲:۲-۳، مرتضی زبیدی، اتحاف السادۃ المتقین، مصر، ۱:۱-۳۰، ترکی مبارک، الاخلاق عند الغزالی مطبع دارالکتاب العربی، مصر، ۴۱-۵۰، شبلی نعمانی، الغزالی، مطبع شمسی حیدرآباد دکن، ۵-۱۹، ڈاکٹر سید حسین قادری شور، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، دہلی، ۱۹۷۷ء، ۲۱-۲۶، عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱:۳۸۶-۳۹۲

۲۔ خیر المقال فی ترجمہ المنقذ من الضلال (اردو ترجمہ: سید ممتاز علی) مشمولہ در مجموعہ رسائل امام غزالی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ۲۸-۱۱۶

۳۔ عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ۱:۴۰۲، شبلی نعمانی، الغزالی، ۲۳-۲۵

۴۔ خیر المقال فی ترجمہ المنقذ من الضلال، ۱۴۳-۱۴۴

۵۔ سید حسین قادری شور، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، ۲۸-۲۹، شبلی نعمانی، الغزالی، ۲۹-۳۷

۶۔ شبلی نعمانی، الغزالی، ۴۱-۴۷

۷۔ امام غزالی، تہافۃ الفلاسفہ (اردو ترجمہ: ڈاکٹر میر ولی الدین) مشمولہ مجموعہ رسائل امام غزالی، کراچی، ۳:۴۸

۸۔ ایضاً، ۸۹

۹۔ امام غزالی، خیر المقال فی ترجمہ المنقذ من الضلال، ۳۲، امام غزالی، تہافۃ الفلاسفہ، ۴۳-۴۴

۱۰۔ تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ۸۷

۱۱۔امام غزالی، خیر المقال فی ترجمہ المنقذ من الضلال، ۶۱-۶۶

۱۲۔ایضاً، ۲۹-۳۲

۱۳۔امام غزالی، تہافۃ الفلاسفہ، ۲۱۹-۲۲۰

14. Will Durant, The Age of Faith, p. 332.

15. Encyclopaedia Britanica, Vol. 5, p. 237.

16. Introduction to the History of Science, Vol. 1, p 383, pp. 753-754

17. Ibid., Vol. 1, p 754.

18. The Legacy of Islam, pp. 272-273.

19. Ibid., p. 273.

20. The age of Faith, p. 332.

21. The Legacy of Islam, pp. 272-273.

22. Ibid., pp. 274-275.

23. Introduction to the History of Science, Vol. 1, p. 739.

24. Ibid., Vol. 1, p. 753.

25. Saxe Commins and R. N. Linscot, The Philosophers of Science: Discourse on Method, New York, 1954, pp. 163-200.

26. Introduction to the History of Science, Vol. 1, pp. 753-754.

۲۷۔ابن تیمیہ، مجموع فتاوی (جمع وترتیب عبدالرحمن محمد بن قاسم النجدی الحنبلی)، ریاض/رباط، ۱۳:۲۳۸

28. Introduction to the History of Science, Vol. 1, p. 747.

29. Ibid., Vol. 1, pp. 740-753.

30. Ibid., Vol. 1, p. 746.